بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادیؒ

سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم، دیوبند

بقلم محمد اجمل قاسمی

خادم تدریس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

دنیا سے سب کو ہی جانا ہے، استاذ محترم حضرت مولانا حکیم محمد احمد صاحب فیض آبادی رحمہ اللہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے ”کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاكرام“ مولانا اپنی عمر طبعی پوری کر چکے تھے، ہر طرح کی خدمت سے معذور اور خود ہمہ وقت کسی خدمت گزار اور معاون کے محتاج تھے، یادداشت اور پہچان تقریبا ختم ہوچکی تھی، اس لیے ان کے وفات کی خبر ذہن ودماغ کے لیے کوئی غیر متوقع حادثہ نہ تھی؛ لیکن چوں کہ وہ ہمارے بڑے محسن اور کرم فرماں تھے، اس لیے دل نے ان کی وفات پر صدمہ محسوس کیا، اللہ رب العزت حضرت والا کی مغفرت فرمائے، اورانہیں ان کی دینی وعلمی خدمات کا بہترین صلہ عطافرمائے آمین!

حضرت مولانا کی دینی وتعلیمی خدمات کا دورانیہ پچاس سال سے متجاوز ہے، اس طویل مدت میں آپ نے پانچ دینی مدارس میں اپنی تدریسی وانتظامی خدمات پیش کیں، اور جہاں بھی رہے اپنی قوت کار، قوت کردار، اعلی تدریسی صلاحیت، اخلاص وبے لوثی، محنت وجانفشانی اور حسن انتظام و انصرام کے روشن نقوش چھوڑے۔

تدریسی سفر کا آغاز

حضرت مولانا نے اپنے تدریسی سفر کا آغاز فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کے ایماپر جامعہ قاسمیہ ”گیا“ بہار سے کیا، جہاں مولانا کے رفقائے تدریس میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور

پوری رحمہ اللہ بھی تھے، گیا میں مولانا نے درس نظامی کی مشکل کتابیں پڑھائیں، نحو وصرف کی ابتدائی کتابیں قواعد کے اجراء کے ساتھ پڑھانے کی طرح ڈالی، کتابیں بھرپور تیاری سے پڑھاتے، ابتدائی کتابوں میں نوٹس لکھواتے، خود بھی محنت کرتے اور طلبہ سے بھی بھرپور محنت لیتے، تکرار ومطالعہ کے اوقات میں ان کی نگرانی فرماتے۔ تعلیم وتربیت سے بھرپور دلچسپی، بہترین تدریسی صلاحیت، اور طلبہ کے تئیں خلوص و ہمدردی، ان کی تعلیمی نگرانی نیز منظم اور اصول پسند زندگی کی وجہ سے آپ نے جلد ہی انتظامیہ وطلبہ کی نظر میں اونچا مقام حاصل کرلیا، اور دونوں ہی طبقے مولانا کی صلاحیتوں اور خوبیوں کے معترف اور قدردان ہوئے، حضرت مولانا کے برادر زادے اور چہیتے شاگرد حضرت مولانا خورشید انور قاسمی صاحب نے بتایا کہ مدرسہ قاسمیہ گیا کے مہتمم حضرت مولانا قاری فخرالدین صاحبؒ جو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفہ تھے مولانا سے ان کی تعلیمی خدمات اور مدرسہ کے تئیں ان کی جانفشانی کے سبب بڑا لگاؤ رکھتے تھے، خط وکتابت میں ہمیشہ علامہ محمد احمد صاحب کے لقب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ غرض بہار کے اس علاقے میں جامعہ قاسمیہ ''گیا'' حضرت مولانا کی مساعی جمیلہ کی بدولت اپنے بہتر تعلیمی نظام کے حوالے سے اتنا معروف ومشہور ہوا کہ اس کی مختصر عمارت طلبہ کے لیے ناکافی ہوگئی۔

جامعہ قاسمیہ ''گیا'' میں حضرت مولانا کو مقبولیت تو خوب ملی، مگر وہاں کی آب وہوا آپ کو زیادہ راس نہ آئی، چنانچہ تقریباً ہر سال بیمار پڑ جاتے، خود اپنا علاج خود کرتے، کبھی ڈاکٹر سے بھی رجوع کرنے کی ضرورت پڑ جاتی، بیماری میں بھی وہ اپنے تدریسی معمولات برقرار رکھتے، درس گاہ جانے کی ہمت نہ ہوتی تو اپنے کمرے میں ہی بلا کر طلبہ کو پڑھاتے۔ بار بار کی علالت سے دل برداشتہ ہوکر'' گیا'' کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا، والد صاحب کی بھی رائے ہوئی کہ ''گیا'' کے بجائے قریب ہی میں کہیں تدریسی خدمت انجام دیں، تاکہ صحت بہتر ہوسکے، چنانچہ اپنے گاؤں کے قریب مدرسہ انوار العلوم بھولے پور امبیڈکر نگر کے ذمہ داروں کی درخواست پر وہاں سے وابستہ ہوگئے، گیا سے جدائیگی کا فیصلہ وہاں کی انتظامیہ اور طلبہ دونوں کے لیے تکلیف دہ تھا، چنانچہ جامعہ قاسمیہ گیا میں پڑھنے والے عربی ششم کے طلبہ حضرت مولانا سے پڑھنے کے لیے اپنے علاقہ کا مدرسہ چھوڑ کر وطن سے دور ایک گمنام مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھولے پور آگئے۔

حضرت مولانا نے مدرسہ انوار العلوم میں کام شروع کیا، اور تھوڑے ہی دنوں میں مدرسہ کے تعلیمی نظام کو بہت مستحکم اور مضبوط بنادیا، مدرسہ کے بام ودر تکرار ومذاکرے کے غلغلے سے معمور ہوگئے، اور مدرسہ کو پورے علاقے میں بڑی شہرت ملی، مولانا نے یہاں رہتے ہوئے کھیتی بھی بڑی لگن سے کی اور پیداوار بھی خوب ہوئی، لیکن مولانا یہاں بھی زیادہ مدت قیام نہ کرسکے، مولانا

مزاجا نظم وانتظام اور طلبہ کی تادیب میں سخت واقع ہوئے تھے ،آپ کی سختی کو لے کر کچھ لوگوں کو شکایت تھی، مولانا کی عدم موجودگی طلبہ اور بارچی میں کسی بات پر لڑائی ہوگئی، جس کو بہانہ بناکر بعض مقامی لوگوں نے شورش برپا کردی، جس کی وجہ سے مولانا وہاں سے خاموشی کے ساتھ علاحدہ ہوگئے، مدارس میں شورش سے مولانا کو سخت نفرت تھی، ہنگاموں میں شریک ہونے کے بجائے علاحدگی کو ترجیح دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر تک کا سفر خرچ محفوظ رکھتا ہوں ؛ تاکہ بوقت ضرورت بلاپس وپیش روانہ ہوسکوں ، بھولے پور سے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ چلے گئے، وطن سے دوری کا فیصلہ مولانا کے لیے شاق تھا، لیکن اس کے نتائج آپ کے حق میں بہتر نکلے، مولانا نے ایک دفعہ ایک بھولے پوری طالب علم سے فرمایا کہ بھولے پور سے میری علاحدگی بھولے پور کے لیے جیسی بھی رہی ہو میرے حق میں تو بہتر ثابت ہوئی، میں وہاں رہتا تو کھیتی کسانی میں ضائع ہو کر رہ جاتا اور علمی ترقی کی وہ راہیں میرے لیے شاید نہ کھلتیں، جو وہاں سے علاحدہ ہونے کے بعد کھلیں۔ بہر حال حضرت مولانا کے بھولے پور سے علاحدہ ہوتے ہی وہاں کی رونقیں جلد ہی ماند پڑ گئیں جس کو ہر خاص وعام نے شدت سے محسوس کیا، بلکہ بعض لائق وفائق طلبہ نے تو مولانا کی علاحدگی کے بعد تعلیم ہی ترک کردی، مولانا نے یہاں جلالین تک کتابیں پڑھائیں۔

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں

مدرسہ انوار العلوم بھولے پور سے علاحدہ ہونے کے بعد آپ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ تشریف لے گئے ،اس مدرسہ میں پہلے آپ تعلیم بھی حاصل کرچکے تھے، کم وبیش چار سال آپ نے یہاں تدریسی خدمات انجام دیں، سابقہ دونوں مدرسوں کی طرح یہاں بھی متوسطات تک تعلیم تھی، چنانچہ آپ نے یہاں ہدایہ اول، شرح جامی، قطبی وغیرہ کتابیں پڑھائیں، تعلیم ودارالاقامہ کی نگرانی کے ساتھ آپ یہاں نائب مہتمم بھی رہے، زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ مدرسہ کے ذمہ داروں میں اختلافات رونما ہوئے، جس کی وجہ سے مولانا وہاں سے مدرسہ شاہی چلے گئے ،دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت 1378ھ ہوئی ، پانچ سال مزید دیوبند میں علوم وفنون کی تکمیل اور فن طب کی تحصیل میں گذارنے کے بعد آپ نے تدریس کے میدان میں قدم رکھا تھا، توگویا آپ کی تدریس کی شروعات کا سال 1382ھ ہوگا اور مدرسہ شاہی میں آپ کا تقرر 1394ھ میں ہوا، اس اعتبار سے مدرسہ قاسمیہ گیا سے لے کر فرقانیہ گونڈہ تک آپ کی تدریسی مدت گیارہ ، بارہ سال ہوتی ہے، آپ کی تدریس کا یہ دور گویا ایک عبوری دور ہے، اس کے بعد پھر آپ کی تدریسی زندگی میں ٹھہراؤ اور استحکام کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں آپ کا تقرر10 ذی قعدہ 1394 میں درجہ وسطی میں ہوا،اور3 محرم الحرام1395 سے آپ نے یہاں تدریسی خدمت کاآغاز کیا، حضرت مولانا سیدارشد مدنی دامت برکاتہم جومدرسہ قاسمیہ گیا میں حضرت مولانا کے ساتھ تھے،وہ پہلے ہی وہاں سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد آچکے تھے،اورناظم تعلیمات کے عہدے پر فائز تھے،مدرسہ شاہی میں حضرت مولانا کا تقرر درحقیقت حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی کی سعی پر خلوص کا نتیجہ تھا جسے فخرالمحدثین حضرت مولانا فخرالدین مرادآبادی کی تائید حاصل رہی ،مولانا مدنی دامت برکاتہم بحیثیت ناظم تعلیمات 16 شوال1394ھ کو مجلس شوری مدرسہ شاہی کے نام اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

"مولانا محمد احمد صاحب حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب کے منتخب کردہ ہیں،اور مناسب ہیں،راقم الحروف بھی ان سے واقف ہے،نیز مجھ کو دارالطلبہ کے نظم میں ان سے زیادہ مدد مل سکے گی،اس لیے میری گذارش ہے کہ اگر موصوف ہی کا تقرر کرلیا جائے توزیادہ مناسب ہوگا"۔(تاریخ شاہی نمبر348)

مدرسہ شاہی میں گذرے ہوئے ماہ وسال حضرت مولانا کی حیات مستعار کا سنہرا دور اور تعلیمی خدمات کا بہترین زمانہ ہے،مدرسہ شاہی میں آپ کے عزم وحوصلے کو ایک بڑی جولان گاہ میسر آئی،جہاں آپ کی تدریسی اورانتظامی صلاحیتوں کے بہترین جوہر سامنے آئے،اور بہترین مصرف میں استعمال ہوئے،مدرسہ شاہی سے پہلے آپ نے جوخدمات انجام دیں اس نے آپ کی شخصیت سازی،آپ کے مس خام کو کندن بنانے اور ایک نوفارغ التحصیل کو ایک تجربہ کار مدبر ومدرس بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا، چنانچہ مولانا نے مدرسہ شاہی میں ایک قابل وفاضل اور باتوفیق مدرس کی حیثیت سے نحو میر سے لے کر صحیح بخاری تک کی تقریبا تمام ہی کتابیں پوری کامیابی اوراستادانہ مہارت کے ساتھ پڑھائی،اورتدریس کے حوالے نہایت قابل اعتماد،محترم اورنیک نام رہے،تدریسی میدان میں حضرت مولانا کی ہمہ جہت خدمات کا اندازہ ان کتابوں سے ہوتاہے جومختلف سالوں میں آپ کے زیرتدریس رہیں،آپ نے مدرسہ شاہی میں رہتے ہوئے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھائیں، جب کہ ابتدائی کچھ سالوں کی تفصیلات فراہم نہ ہوسکیں:

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، موطاامام مالک، نسائی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی، طحاوی، مشکاۃ، شرح عقائد، تفسیر جلالین، حسامی، تفسیر بیضاوی، ہدایہ، مختصرالمعانی، نورالانوار، کنزالدقائق، سلم العلوم، ملاحسن، شرح جامی، اصول الشاشی، شرح وقایہ، ترجمہ قرآن، کافیہ، شرح تہذیب، روضتہ الأدب، نحو میر۔

مدرسہ شاہی میں آپ نے مختلف اوقات میں مختلف ذمہ داریاں سنبھالیں، اورمدرسہ کے تعلیمی نظم وانتظام کو بہتر اور معیاری بنانے میں نمایاں اور قابل قدر کردار ادا کیا، تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت کی خدمت انجام دی، قیام کے بیشتر زمانے میں دارالاقامہ کی نظامت اور نگرانی کی ذمہ داری انجام دی، مختلف اوقات میں نائب مہتمم، نائب ناظم تعلیمات، ناظم تعلیمات، شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین کے عہدے پر فائز رہے، اورمدرسے کے انتظام واستحکام میں حصہ لیا، مدرسہ شاہی کے سابق مہتمم حضرت مولانا رشیدالدین حمیدی رحمہ اللہ کو حضرت مولانا پر بڑا اعتماد تھا، مولانا حمیدی رحمہ اللہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت مولانا مدرسہ شاہی کو چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند جائیں، چنانچہ حضرت مولانا کو دارالعلوم دیوبند سے تدریس کے لیے جب بلایا گیا، اور مولانا آمادہ بھی ہوگئے، تو مولانا حمیدیؒ نے سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سے باقاعدہ ایک سال کے لیے مدرسہ شاہی میں حضرت مولانا کے قیام کی منظوری لی، چنانچہ حضرت مولانا نے مولانا حمیدیؒ کی خواہش پر ایک سال مزید مدرسہ شاہی میں قیام کیا اور پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

مدرسہ شاہی میں الوداعی خراج عقیدت

حضرت مولانا کو مدرسہ شاہی میں کیسا وقار واعتبار اور کیسی ہر دلعزیزی حاصل تھی، اس کی عکاسی اس خراج عقیدت سے ہوتی ہے جو مدرسہ شاہی کے اساتذہ کی طرف حضرت مولانا کو دارالعلوم دیوبند تشریف لے جانے کے موقع پر پیش کیا گیا، یہ خراج عقیدت اور تہنیت نامہ راقم الحروف کو حضرت مولانا کے برادرزادے حضرت مولانا خورشید انور قاسمی استاذ حدیث مدرسہ شاہی سے فراہم ہوا، جس پر 11 ذی قعدہ 1411 کی تاریخ درج ہے، ذیل میں اس تہنیت نامہ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے :

” حضرت صدر المدرسین جامعہ! ہم اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتے کہ ہم سبھی اساتذہ جامعہ آپ کے بارے میں ایک کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ کا علم ہمدوشِ عمل اور عملِ بے پایاں علم کا آئینہ دار ہے۔ منطق وفلسفہ، بلاغت ومعانی میں آپ کو تبحر اور حدیث وتفسیر اور فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہے، ہم آپ کے

حد درجہ متواضع، منکسر المزاج اور خود دار ہونے کی شہادت پیش کرتے ہیں،اوراس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ کا تدبر و تفکر اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ فکر و نظر میں غلطی کا امکان کم ہی رہ جاتا ہے،آپ نظم و نسق میں ماہر ہیں،آپ کے یہاں ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے، کوئی چیز اپنے وقت سے موخر نہیں ہوتی،یہی وجہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کے زیر نگرانی آپ نے مدرسہ شاہی کے تمام شعبوں کے سر براہ ہونے کی حیثیت سے وہ کارنامے انجام دئے ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی..... ''

مدرسہ شاہی میں آپ کے قیام کی کل مدت 17 سال رہی۔

مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں

مدرسہ شاہی میں آپ شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے،اوراہمیت ومقبولیت بھی اللہ نے خوب دی تھی، اس لیے دارالعلوم دیوبند سے جب تدریس کے لیے دعوت آئی تو آپ کے بہت سے اعزاء اور محبین کی رائے یہی تھی کہ حضرت مولانا کو مدرسہ شاہی میں رہ کر ہی کام کرنا چاہیے؛اس لیے کہ جو مقام مرتبہ اور کام کرنے کے جو مواقع انہیں فی الحال یہاں میسر تھے دارالعلوم دیوبند میں اس کی توقع نہیں تھی، حضرت مولانا کے چھوٹے بھائی مولانا ابو بکر صاحب مرحوم جو حضرت مولانا کی نظر میں صائب الرائے وصاحب فہم تھے ان کی بھی یہی رائے تھی؛ مگر مادر علمی سے مولانا کو جو والہانہ تعلق تھا وہ ہر چیز پر حاوی رہا، ایسے تمام مخلصین کے لیے حضرت مولانا کی طرف سے ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ کہ "دارالعلوم مجھے اگر جھاڑو دینے کے لیے بلائے گا تو بھی میں جاؤں گا" چنانچہ حضرت مولانا تشریف لے گئے اور ان کا جانا دارالعلوم کے حق میں بہتر ثابت ہوا اور بقول مولانا خود ان کے حق میں بھی بہتر ثابت ہوا۔(یہ تفصیلات کچھ تو راقم الحروف نے براہ راست حضرت سے سنی ہیں،اور کچھ ان کے قابل اعتماد اعزاء سے)

1411ھ میں امیدوں کے نشیمن مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر عمل میں آیا،اور 1439 سال تک آپ نے تعلیمی وانتظامی شعبوں میں اپنی بہترین خدمات پیش کیں،ایک طرف جہاں آپ نے ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو فیض یاب کیا وہیں مدرسہ کے تعلیمی وتربیتی نظام کو بہتر اور مستحکم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا، دارالعلوم دیوبند میں آپ کا قیام کم وبیش 28 سال رہا،اس عرصے میں زیادہ تر آپ سے ہدایہ آخرین اور مشکاۃ المصابیح کے اسباق متعلق رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کا زندہ جاوید کارنامہ

کار آمد اور مفید تحقیق وتالیف ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے آدمی کا فیض عموما تادیر قائم رہتاہے،اوراس کی نیکیوں کے دفتر میں اضافہ ہوتا رہتاہے، مولانا تصنیف وتالیف کے آدمی بالکل نہ تھے؛ مگر توفیق الہی نےان سےایک ایسا بنیادی کام لیا جس کا فیض سدا قائم اوراجر وثواب ان شاءاللہ دائم رہے گا۔

حضرت مولانا نے ایک مرتبہ غالبًا میرے استفسار پر یا ازخود فرمایا: کہ دارالعلوم دیوبند میں منتہی درجات کی تعلیم توہمیشہ اچھی رہی، مگر ابتدائی درجات کی تعلیم دارالعلوم دیوبند کے لحاظ سے کمزوراور غیر معیاری تھی، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)ابتدائی درجات کی تعلیم کے سلسلے میں فکر مند تھے، میں جب دارالعلوم میں پہنچا توحضرت مولانا نے مجھے مدرسہ ثانویہ کی ذمہ داری قبول کرنے کو کہا، دارالعلوم جیسے ادارے میں جہاں بڑے لوگ موجود تھے میرے لیے یہ بڑی آزمائش تھی، بہر حال حضرت مہتمم صاحب کاجب اصرار ہواتومیں نے اللہ کے بھروسہ پر اس ذمہ داری کو قبول کرلیا، اورثانویہ کی تعلیم کو بہتر بنانے کے سلسلے میں بڑے اساتذہ سے مشورے کیے، مگر کام کی کوئی بہتر صورت سامنے نہیں آئی، بلکہ بعض لوگوں کی تبصرے میرے لیے مایوس کن بھی رہے،ایک صاحب نے فرمایا کہ مدرسہ ثانویہ کو مولانا وحیدالزماں صاحب جیسا دبنگ آدمی نہ قابو کرسکا توآپ کیا کرسکیں گے،ایک صاحب نے کہاکہ دارالعلوم میزان منشعب پڑھانے کے لیے قائم کیا گیاہے؟

بہر حال میں نے کام شروع کردیا،میں نے ترتیب یہ بنائی کہ صبح وشام پہلا گھنٹہ لگنے سے پہلے میں اپنے دفتر پہنچ جاتا،اورجو طلبہ لیٹ آتے ان کی تادیب کرتا، تھوڑے دنوں میں ہی تقریبا سبھی طلبہ وقت پر مدرسہ پہنچنے لگے، اسباق کی حاضری کا نظام بہتر ہوگیا ،ادھر میرے وقت پر پہنچنے کی وجہ سے اساتذہ میں بھی وقت پر حاضری کا اہتمام پیدا ہوا، مدرسہ ثانویہ کے تعلیمی نظام کی سب سے بڑی کمزوری یہی تھی کہ وہاں اسباق کی حاضری کا نظام بہت ہی ڈھیلا تھا، الحمد اللہ بغیر کسی بڑی کاروائی اور مشقت کے اس پر قابو کرلیا گیا۔

پھر اس کے بعد طلبہ کے ماہانہ جائزے کاسلسلہ شروع کیا،جس کے نتائج طلبہ کے سامنے آتے ،اس سے طلبہ میں محنت ولگن اورایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوئی،تدریس اور نتائج کی بہتری کے حوالے سے اساتذہ کی فکر مندی میں بھی اضافہ ہوا،اسی طرح مغرب بعد طلبہ کواساتذہ کی نگرانی میں تکرار ومذاکرے کا پابند بنایا گیا،اس ترتیب سے رفتہ رفتہ مدرسہ ثانویہ کا نظام اوراس کا تعلیمی معیار اتنا بہتر ہوگیا، کہ وہ دوسرے مدرسوں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ بن گیا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں نے غور کیا کہ مولانا وحید الزماں صاحب کو مدرسہ ثانویہ کے نظام کو سدھارنے میں کامیابی کیوں نہیں ملی، تواس کی وجہ مجھے یہ سمجھ میں آئی کہ مولانا بلاشبہ ایک بہترین منتظم اور مدبر تھے، مگر ان کی ذمہ داریاں اور مصروفیات چوں کہ بہت زیادہ تھیں اس لیے وہ مدرسہ ثانویہ کو وہ وقت نہیں دے سکتے تھے جو اس کی نگرانی کے لیے ضروری تھا؛اس لیے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

مولانا نے فرمایا کہ ثانویہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے سلسلے جو میں نے کام کئے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم اس کی وجہ سے میری بڑی قدر کرتے تھے،اور بڑی محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔

بہر حال مدرسہ ثانویہ کا استحکام اور اس کا بہترین نظام مولانا کا ایک بے مثال کارنامہ اور ان کے حسن انتظام کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آج بڑی تعداد میں بہترین اور جید الاستعداد طلبہ نکل رہے ہیں، اور دور و قریب مدارس میں جابجا اس کی تقلید جاری ہے، مولانا نے مدرسہ ثانویہ کو ایک ایسی مستحکم اور منظّم حالت میں چھوڑا ہے کہ افراد اور منتظمین کے بدلنے سے ان شاء اللہ العزیز اس کے ضیاع کا خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔

مدرسہ ثانویہ میں حضرت مولانا نے جو یہ کارہائے نمایاں انجام دئے،ان میں حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی کا بھی اہم کردار ہے، مولانا مدنی ناظم تعلیمات تھے،اور مولانا محمد احمد صاحب ان کے نائب ومعاون ،ظاہر یہ ہے کہ مولانا نے جو کچھ بھی کیا وہ مولانا مدنی کی سرپرستی اور بھرپور تعاون کے بغیر ان کے لیے ممکن نہ تھا۔

شعبہ تعلیمات کا انتظام وانصرام

ثانویہ کے علاوہ تعلیمات کے ماتحت انجام پانے والے دیگر کاموں میں بھی مولانا محمد احمد صاحب مولانا مدنی دامت برکاتہم کے بہترین معاون اور مخلص شریک کار رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شعبہ تعلیمات میں ان دونوں بزرگوں کی جوڑی بہترین جوڑی رہی،اوران دونوں حضرات کی وجہ سے اس شعبہ کا وقار واعتبار نہایت بلند ہوا۔

حضرت مولانا ارشد مدنی دامت برکاتہم کے نظامت تعلیمات سے مستعفی ہونے کے کچھ سال بعد حضرت مولانا رحمہ اللہ ناظم تعلیمات بھی بنائے گئے، لیکن آپ کی نظامت کا زمانہ مختصر ہی رہا،شعبہ تعلیمات جیسے اہم ادارے کو چلانے کے لیے بڑی توانائی،حاضر دماغی اور کشادہ ذہنی درکار تھی، مولانا کے قوی اب مضمحل ہو چکے تھے، یادداشت بکثرت ذہول کا شکار ہونے لگی

تھی، پھر مولانا عہد کہن کی پیداوار اور ہر چیز کو روایتی انداز میں چلانے کے عادی تھے حالاں کہ زمانے کے تقاضے بدل چکے تھے،ان وجوہات کے سبب مولانا جلد ہی گراں بار ہو کر نظامت سے مستعفی ہوگئے، بہر حال نائب ناظم تعلیمات رہ کر انہوں نے جو بہترین کارکردی پیش کی وہ ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔

حضرت مولانا کا انداز تدریس

مولانا ایک بہترین اور کامیاب مدرس تھے، ان کے عہد شباب کے شاگردوں میں ان کے لیے جو گرویدگی اور والہانہ لگاؤ دیکھا وہ شاگردوں میں اساتذہ کے حوالے سے خال خال ہی دیکھنے کو ملتا ہے،ان کے قدیم شاگردوں میں کئی بعض ایسے ملے جو تنقید کے نشتر چلانے میں بڑے بے رحم واقع ہوئے تھے، مگر مولانا کا نام آیا تو ان کا انداز سراپا ادب و تعظیم ہوگیا، اور وہ مولانا کی تدریس کے بڑے مداح نظر آئے،ہمیں مولانا سے ابتدائی کتابیں پڑھنے کا موقع نہیں ملا؛ مگر جن کو ملا ان کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فنون (نحو وصرف ومنطق، بلاغت) کی ابتدائی کتابوں میں مولانا کا انداز یہ تھا کہ وہ تعریفات و قواعد طلبہ کو ازبر کراتے تھے ،اور پھر مثالوں میں قواعد کے اجرا پر زور دیتے تھے،وہ طلبہ کے سامنے مثالوں کا اجراء کر کے ان کو یاد کرنے کا پابند بنانے کے بجائے طلبہ کو مکلّف کرتے کہ محنت کر کے از خود اجرا کریں،اس میں ابتداء میں طلبہ پر زور زیادہ پڑتا ہے، مگر تھوڑے ہی دنوں میں اجراء طلبہ کے لیے کھیل اور تفریح ہو جاتا ہے، حضرت مولانا نے یہ طریقہ اپنے استاذ حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب بڑہی عادل پور فیض آباد سے اخذ کیا تھا، حضرت مولانا کے بقول مولانا ضیاء الحق فیض آبادیؒ ابتدائی کتابوں کی تدریس کے مجتہد تھے، کافیہ جیسی مشکل سمجھی جانے والی بعض کتابوں میں مولانا طلبہ کو کاپی بھی لکھایا کرتے تھے تاکہ طلبہ کو استاذ کی منشا کے مطابق استاذ ہی کے الفاظ وانداز میں سبق یاد کرنے میں سہولت ہو۔

عام کتابوں کی تدریس میں مولانا کا نہج یہ تھا کہ عبارت پڑھواتے،طالب علم کوئی غلطی کرتا تو اس کی اصلاح کرتے، عبارت میں کوئی قابل وضاحت چیز ہوتی تو اس کی وضاحت کرتے، مشکاۃ شریف کے اسباق میں الفاظ حدیث کی تشریح کرتے، پھر مختصر انداز میں عبارت کا مطلب بیان کرتے ، اور متعلقہ ضروری تشریح کرنے بعد عبارت پر اسے منطبق کرتے،ان کا کوئی سبق نہ تو سرسری ہوتا اور نہ ہی اس میں بہت زیادہ تحقیق و تدقیق ،اور طول طویل بحثیں،وہ ہر ہر مسئلے اور ہر ہر حدیث پر رکتے اور ضروری توضیح و تشریح کے بعد آگے بڑھتے،ان کے یہاں روزآنہ کے سبق کی مقدار متعین تھی، وہ نصاب کو تعلیم کے دنوں پر تقسیم

کر لیتے،اوراسی کے مطابق پورے سال پڑھاتے، سال کے پہلے سبق میں جو انداز، رفتار اور کیفیت ہوتی آخری سبق تک وہی باقی رہتی ،اس میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔

ہم نے مولانا سے مشکاۃ المصابیح کا تیسرا حصہ پڑھا، مولانا کے اسباق بڑے دلچسپ رہے، سبق میں وہ موقع محل کے اعتبار سے اشعار وواقعات بھی سناتے تھے،کتاب الرقاق پڑھاتے ہوئے وہ بکثرت آبدیدہ ہو جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے متعلق احادیث پڑھاتے ہوئے مولانا پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ سلسلہ کلام جاری رکھنا مشکل ہو جاتا، گویا یہ اسباق انہوں نے روایتی انداز کے ساتھ ان کیفیات کے ساتھ بھی پڑھائے جوان ابواب کے پڑھنے سے مقصود ہیں،وہ ایک طبیب حاذق بھی تھے،اس لیے مشکاۃ میں ان کی کتاب الطب کے دروس بہت پسند کئے جاتے تھے"الحبة السوداء"(کلونجی دانہ) کی افادیت پر احادیث آئیں تو حضرت مولانا اپنے ساتھ کلونجی کے دانے لے کر آئے اور طلبہ کو بتایا کہ یہ" الحبة السوداء" ہے۔بہر حال مشکاۃ میں مولانا کے اسباق دلچسپ ہونے کے ساتھ پر اثر بھی ہوتے تھے، البتہ ہدایہ ثالث میں بوڑھاپے کی وجہ ذہول کا اثر کچھ کچھ ظاہر ہونے لگا تھا، بیان مسئلہ یا بیان مذاہب میں کبھی کبھی چوک ہو جایا کرتی، متنبہ ہونے پر جس کا وہ استدراک کرتے۔

مولانا اسباق اور عام حالات میں ٹھہر کر بولنے کے عادی تھے،آواز پست تھی،وہ نہ خطیب تھے نہ خطیبوں کی طرح لسّان، اسباق ہمیشہ تیاری اور مطالعہ سے پڑھاتے تھے،دوران مطالعہ ضروری باتوں کو قلمبند کرنے کا بھی مزاج تھا۔

مولانا کا نظم وانتظام

مولانا جہاں بھی رہے نظم وانتظام کی ذمہ داریاں ان کے ساتھ لگی رہیں،اورانہوں نےان ذمہ داریوں کوبڑی محنت وجانفشانی اوراخلاص وبے لوثی سےانجام دیا، مولانا کوئی سماجی اوررابطہ عامہ کے مد کے آدمی نہ تھے،اس لیے مدارس کے خارجی امور سے مولانا کو نہ کوئی مناسبت تھی،اورنہ ہی اس طرح ذمہ داریاں مولانا سے کبھی وابستہ ہوئیں،البتہ وہ داخلی نظم وانتظام سنبھالنے اور تعلیم وتربیت کو مستحکم بنانے کی بہترین صلاحیت کے مالک تھے، اللہ تعالی نے ان کو زبردست قوت ارادی،اعلی درجہ کا عزم وحوصلہ اور غیر معمولی قوت تنفید سے نوازا تھا، چنانچہ جب وہ کسی چیز کو ٹھان لیتے تھے تواسے کر گذرتے تھے،ایک دفعہ ذکر کیا کہ مدرسہ شاہی میں امتحانات میں دورہ حدیث کے طلبہ بڑی بے اصولیاں کیا کرتے تھے،بہت سے طلبہ امتحانات میں دھڑلے سے نقل کرتے ، بعض طلبہ امتحان میں شریک ہی نہ ہوتے تھے کہ ضمنی امتحان میں آسانی سے پاس ہو جائیں، متنبہ کرنے پر نہ

سنتے تھے اور نہ مانتے تھے،اور ذمہ داران مدرسہ اس لحاظ میں ان پر سختی اور کاروائی کرنے سے کتراتے تھے کہ کہیں وہ مدرسہ چھوڑ کر چلے نہ جائیں گے، مولانا نے فرمایا: اس صورت حال سے میں فکر مند تھا اور میں نے امتحان کے نظام کو درست کرنے کا ارادہ کیا ، بعض ذمہ داروں کو تشویش ہوئی کہ طلبہ شورش برپا کریں گے، مگر میں نے اطمینان دلایا کہ سب قابو میں آجائے گا،فرمایا: طلبہ نے جیسا کہ توقع تھی امتحان سے پہلے ہنگامہ شروع کیا کہ ہم امتحان میں شریک نہیں ہوں گے، مگر میں ڈٹا رہا کہ امتحان توشفافیت کے ساتھ ہی ہوگا جسے شریک ہونا ہے شریک ہو نہیں شریک ہونا ہے توچلا جائے،امتحانات شروع ہوگئے اور طلبہ نے شرکت بھی کی؛ مگر بار بار تنبیہ کے باوجود حسب سابق کچھ طلبہ نقل کرنے سے باز نہ آئے، میں نے ایسے طلبہ کے پرچے سوخت کردئے،ادھر ضمنی امتحانات میں بھی میں نے سختی کی، نتیجہ یہ ہوا ایک ہی دو امتحان کے بعد نظام درست ہوگیا، اور امتحانات میں شفافیت پیدا ہوگئی۔

مولانا کا خیال تھا اور بجا تھا کہ معیاری اور صاف ستھرے امتحانات کے بغیر معیار تعلیم کبھی بھی بہتر نہیں ہو سکتا،اور وہ ہمیشہ اسی سوچ کے تحت کام کرنے کے عادی رہے۔

مولانا کی ذاتی زندگی مرتب تھی،ان کی طبیعت کا خمیر نظم وضبط کی پابندی اور اصول پسندی سے اٹھا تھا،جس ضابطے یا اصول کو وہ نافذ کرنا چاہتے خود سو فیصد اس پر پورے اترتے تھے،اس لیے لوگوں کو ان پر انگشت نمائی کا زیادہ موقع نہیں ملتا تھا، مولانا اصول کے نافذ کرنے میں بے لچک تھے،حالاں کہ بعض خاص صورتوں میں استثنائی معاملات ناگزیر ہوجاتے ہیں،مولانا کی یہ سخت گیری بعض دفعہ لوگوں کے لیے شکایت اور بددلی کا سبب بنتی تھی، لیکن مولانا کو کسی سے ستائش کی توقع ہوتی نہ خفگی کی پرواہ۔

تعلیم کے ساتھ تربیت

مولانا تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی توجہ دیتے تھے،اور جہاں بھی طالب علم سے کوئی غلطی ہوتی فوراً تنبیہ کرتے،اور اس تنبیہ میں زبان،ہاتھ اور قلم کا استعمال کرنے میں قطعاً گریز نہ کرتے، درس گاہ، گذرگاہ، مدرسہ، مسجد، دسترخوان، سفر وحضر ہر جگہ حضرت مولانا کو دیکھنے کا موقع ملا، ہر جگہ انہیں روک ٹوک اور غلطیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے پایا،ان کی طبیعت میں جلالی رنگ غالب تھا، لہٰذا ان کی تنبیہ اکثر غصے کے انداز میں ہی ظاہر ہوتی تھی۔ مولانا کہا کرتے تھے کہ اساتذہ پہلے طلبہ کے ساتھ دارالاقامہ میں ہی رہا کرتے تھے،جس کی وجہ سے وہ ہمہ وقت اساتذہ سے مربوط رہتے تھے،ان کی خدمت کیا کرتے تھے جس سے انہیں زندگی

کے بہت سے آداب اور قرینے اساتذہ سے سیکھنے کو ملتے تھے اور تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوتی رہتی تھی، پھر اساتذہ کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے فیملی کواٹرس بنائے گئے ،اس سے اساتذہ کو تو یقینا بڑی راحت ملی ، مگر طلبہ اپنے اساتذہ کی صحبت سے محروم ہوگئے، اوران کی تربیت کا بڑا نقصان ہوا۔

اخلاق وعادات

حضرت مولانا جس خاندان کے وارث وامین تھے وہ علاقے میں اپنی دینی عزیمت وصلابت، اسلامی غیرت وحمیت، منکر پر برملا نکیر کرنے کی رندانہ جراءت،ذوق عبادت وتلاوت، امانت ودیانت، معمولات کی پختگی،اور محنت وجفاکشی وسخت کوشی میں ممتاز معروف؛ بلکہ ان خوبیوں کی وجہ سے دل پسند اور محبوب بھی رہا ہے، مردوں کے ساتھ گھر کی عورتوں میں بھی یہ اوصاف بہت نمایاں تھے، زمانے کی نیرنگیوں نے نئی نسل کو اپنی خاندانی روایات کے بارے میں سست اور غافل ضرور کر دیا ہے، مگر اس نسل میں بھی متعدد افراد ہیں جو اپنی خاندانی امتیازات کو باقی رکھے ہوئے ہیں، ہمارے گھرانے کی مولانا کے گھرانے سے رشتہ داریوں کا سلسلہ پرانا اور نزدیکی رہا ہے ،گاؤں بھی بالکل قریب قریب ہیں،اس لیے آمدورفت بھی خوب ہے،بریں بنا راقم الحروف اس خاندان کے احوال سے گھر ہی کے کسی فرد کی طرح واقف ہے۔

حضرت مولانا کو ان تمام خاندانی خصوصیات وامتیازات سے وافر حصہ ملا تھا، امانت ودیانت کا عنصر بہت نمایاں تھا،ان کے کاموں میں احتساب کی روح پائی جاتی تھی ،ان کے اندر ورع وتقوی اور فکر آخرت تھی ،وہ نظام الاوقات کے حد درجہ پابند اور اصول پسندی میں فرد تھے،درس وتدریس ہو، انتظام وانصرام ہو، کھان پان ہو ، یا زندگی کی دیگر مصروفیات ومعمولات ان کی پوری زندگی نظم وضبط کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی،وہ فطری طور پر ان باتوں کے خوگر تھے،اور اپنی زندگی کے تمام مراحل میں اس حوالے سے وہ جانے پہچانے گئے، مولانا میں فطرتا سخت گیری اور غصے کا عنصر غالب تھا،اس لیے ہر کس ناکس کے لیے مولانا کو نبھانا آسان نہ تھا،بہت سے طلبہ مولانا کی سختی کی تاب نہ لاکر تعلیم سے دور بھی ہوگئے،اور جنھوں نے برداشت کرلیا وہ عموما سنور گئے اور کسی لائق ہوگئے،البتہ وقت ،حالات اور عمر کے گذرنے کے ساتھ ان کے مزاج میں خاصی تبدیلی پیدا ہوگئی تھی، ان کے دوستوں ، بے تکلف ملنے جلنے والوں اور نیاز مندوں کی فہرست بہت طویل نہ تھی؛لیکن جو بھی دوست یا نیاز مند تھے وہ بہت پکے ،حد درجہ مخلص اور بے لوث محبت کرنے والے تھے،اور حضرت مولانا بھی ان کے لیے ریشم کی طرح نرم اور حد درجہ مہربان تھے،ہمارے ایک خاندانی چچا مولانا یسین صاحب تھے جو دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قمرالدین گورکھپوری دامت

بر کاتھم کے ہم درس تھے، حضرت مولانا سے ان کا بڑا یارانہ تھا، مولانا کے بعض عزیزوں نے بتایا کہ مولانا یسین صاحب ملاقات کے لیے اگر مولانا محمد احمد صاحب کے گھر جاتے تو مولانا ان کو چھوڑنے ان کے گھر تک جاتے،اور جب مولانا ان سے ملاقات کرنے ان کے گھر آتے تو وہ مولانا کو چھوڑنے ان کے گھر تک جاتے، حالاں کہ دونوں گاؤں کا فاصلہ تقریبا تین کلومیٹر ہے، ہم نے بھی اس مشایعت کا ایک منظر دیکھا ہے، جو مولانا کے مزاج ومذاق کو دیکھتے ہوئے ہم جیسوں کے لیے باعث حیرت تھا۔

مولانا رشتوں کو جوڑنے والے، تعلقات کو نبھانے والے، مہمان نواز اور مہمانوں کی آمد سے خوش ہونے والے تھے، راقم الحروف نے بارہا ان باتوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

شب وروز

مولانا کا ایک نظام الاوقات تھا جس پر وہ سختی سے عامل تھے، موسم یا مصروفیات کی کمی بیشی سے اس پر کوئی فرق نہ پڑتا تھا، وہ طلوع فجر سے ایک گھنٹہ پہلے لازما اٹھ جاتے، تہجد ادا کرتے اور درسی کتب کے مطالعہ میں لگ جاتے، فجر کا سلام پھیرتے ہی عموما وہ دارالاقامہ کے اپنے حلقہ کا جائزہ لیتے، نماز میں کاہلی برتنے والوں کو تنبیہ کرتے، باز نہ آتا تو اس کی سیٹ کاٹ دیتے تھے،اس کے بعد گھر آکر قرآن پاک کی تلاوت کرتے، کچھ وقت بچتا تو مطالعہ کرتے، کبھی کوئی مریض آجاتا تو اس کو دیکھتے،اور پھر ناشتہ اور مدرسہ کی تیاری میں لگ جاتے۔

وقت سے پہلے مدرسہ پہنچ جاتے، دوپہر کو کھانے کے بعد لازما تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، ظہر بعد مدرسہ آتے، عصر بعد مریضوں کے علاج میں مشغول رہتے، یہی لوگوں سے ملاقات کا بھی وقت تھا، مریضوں کو دیکھتے اور دوائیں تجویز کرتے،اور مہمانوں کی چائے سے ضیافت کرتے، وہ ایک سند یافتہ طبیب حاذق تھے، جہاں بھی رہے درس وتدریس کے ساز علاج ومعالجے اور دواسازی کا سلسلہ بھی قائم رکھا، مریض اگر باقی رہتے تو مغرب بعد بھی دیکھتے ورنہ مغرب بعد کا وقت مطالعہ کتب میں استعمال ہوتا، کھانا اور نماز عشاء سے فارغ ہو کر دس بجے تک اسباق کی تیاری اور مطالعے میں مشغول رہتے،اور دس بجے لازما بستر پر چلے جاتے، تمام نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرنے کے عادی تھے۔

فجر بعد کی نیند ان کے نزدیک قابل نفرت عادت اور ناقابل معافی جرم تھا نہ کبھی خود سوتے، نہ گھر والوں کو سونے دیتے، اہل تعلق میں کسی کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ فجر بعد سوتا ہے، تو اس پر سخت ناراضگی اور تعجب کا اظہار کرتے، بدقسمتی سے

فجر کے بعد تھوڑی سی نیند بادہ صبوحی کی لت کی طرح میرے ساتھ بھی لگی ہوئی،اس کے بغیر اسباق بیداری اور بے دار مغزی کے ساتھ پڑھنا پڑھا مشکل ہوتا ہے، میں اپنی اس لت کی وجہ سے ہمیشہ مولانا کے عتاب سے خائف رہا۔

گھریلو حالات، اور طالب علمی

حضرت مولانا کے بیان کے مطابق ان کے والد حاجی عبدالرحمٰن خان صاحب چھوٹے سے ایک زمین دار ، اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے، مگر جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے تعزیہ داری، محرم اور ڈھول تاشہ کی رسمیں گھر میں انجام پاتی تھیں، پھر شیخ الاسلام حضرت مدنی سے تعلق ہوا تو دینداری کی طرف مائل ہوئے،اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینے کا ارادہ کیا، مولانا کل پانچ بھائی تھے، جن میں تین الحمدللہ عالم باعمل اور دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے،بڑے بھائی مولانا جمال الدین صاحب حضرت مدنی کے شاگرد تھے، مولانا نے فرمایا کہ بڑے بھائی جب پڑھ کرآئے،توانھوں نے گھر خاندان میں جو غلط رسمیں رائج تھیں ان پر تنبیہ شروع کی،اور والد صاحب بے چوں وچراان کی باتوں پر عمل کرتے گئے، جن رسموں میں وہ جی جان سے شریک رہا کرتے تھے ان سے یکسر علاحدگی اختیار کرلی۔ حاجی عبد الرحمٰن صاحب وضع داری، مہمان نوازی اور غریب پروری میں مشہور تھے،ان کی دینداری اور خلوص ہی کا فیض ہے کہ آج ان کے پوتوں اور نواسوں میں اکثریت حافظ اور خاصی تعداد علماء کی ہے، جن میں کئی ایک دینی خدمات میں بھی مشغول ہیں۔

آپ موضع پریتم پور ضلع فیض آباد (موجودہ امبیڈکر نگر) میں پیدا ہوئے ، تاریخ پیدائش یکم رمضان المبارک بروز جمعہ ہے،اور سن پیدائش غالبا1354 ہے،انگریزی اعتبار سے تاریخ پیدائش 10 نومبر 1937ء لکھی گئی ہے،آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مولانا جمال الدین صاحب سے حاصل کی،حفظ قرآن حضرت مولانا قاری عبدالوہابؒ بانی مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے پاس شروع کیا، پھر قاری خان زمان صاحبؒ استاذ فرقانیہ گونڈہ کے پاس مکمل کیا،اور سترہ سال کی مدت میں حافظ قرآن ہوگئے، مولانا اپنے گاؤں کے پہلے حافظ تھے ،اس لیے پورے علاقے میں وہ پریتم پور والے "حافظ جی" کے نام سے جانے جاتے رہے، بہت بعد میں لوگوں نے ان کے نام کے ساتھ مولانا کا سابقہ اور استاذ دارالعلوم کا لاحقہ لگانا شروع کیا۔

فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں ضلع جونپور میں پائی ،یہاں آپ کے استاذ مولانا عبدالرحیم فیض آبادی،اور مولانا ضیاء الحق فیض آبادی تھے،یہ دونوں بزرگ راقم الحروف کے گاؤں برہی عادل پور کے رہنے والے تھے،

اول الذکر فارسی اور ثانی الذکر ابتدائی عربی درجات کی تدریس کے حوالے بہت مشہور تھے، حضرت مولانا آخر الذکر کے بہت ہی مداح تھے،اورانہیں ابتدائی عربی کتب کی تدریس کا مجتہد کہتے تھے،اس کے بعد آپ نے مدرسہ فرقانیہ گونڈا داخلہ لیا،آپ کافیہ میں داخلہ چاہتے تھے، لیکن آپ کے خصوصی استاذ مولانا افضال الحق جوہر قاسمی اعظمی نے امتحان لینے کے بعد مولانا کی خواہش کے علی الرغم شرح جامی پڑھانا شروع کردی،اس طرح آپ کاایک سال بچ گیا، مولانا جوہر قاسمی سے آپ کو بہت لگاؤ تھا،اور مولانا جوہر قاسمی بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، شوال 1374 ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی معیت میں دیوبند تشریف لے گئے،ٹانڈہ سے لے کر دیوبند تک حضرت کا ساتھ رہا، پھر حضرت ہی سے بیعت وارادت کا تعلق بھی قائم ہوگیا،اور قیام دارالعلوم کے زمانہ میں حضرت کی عنایات حاصل رہیں، البتہ حضرت کے وصال ہوجانے کی وجہ سے صحیح بخاری آپ نے حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے پڑھیں،اور حضرت کی توجہات وعنایات آپ کوحاصل رہیں، مولانامدنی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا۔

دورۂ حدیث شریف میں جن اساتذہ سے آپ نے حدیث کا درس لیا اس کی تفصیل اس طرح ہے، صحیح بخاری حضرت مولانا فخر الدین احمد مراد آبادی، صحیح مسلم و جامع ترمذی حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، سنن ابو داود حضرت مولانا سید فخر الحسن، سنن نسائی حضرت مولانا بشیر احمد صاحب بلند شہری ، سنن ابن ماجہ اور موطأ امام مالک حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمی، طحاوی شریف حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندی، شمائل ترمذی حضرت مولانا سید حسن دیوبندی، موطأ امام محمد حضرت مولانا محمد جلیل صاحب کیرانوی اور حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی سے مشترکہ طور پر پڑھیں۔

فراغت کے بعد دارالعلوم میں دوسال مزید علوم وفنون کی تکمیل کی، علم ہیئت آپ نے امام فن مولانا بشیر احمد صاحب سے پڑھی، تین سال جامعہ طبیہ دیوبند میں طب کی تعلیم حاصل کی، طب کی کتابیں حکیم محفوظ علی خان اور حکیم محمد عمر صاحب سے پڑھیں، طبیہ کی تعلیم کے دوران شیخ القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے حفص سے لے کر سبعہ کی تک قراءات پڑھیں اور فن تجوید حاصل کیا، اس طرح مادر علمی میں آپ نے کل 9 سال گذارے۔

آپ کے رفقائے درس میں حضرت مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا رشید الدین حمیدی، مولانا محمد مسلم صاحب اعظمی (والد ماجد مفتی محمد راشد صاحب اعظمی)، مولانا جمیل احمد اعظمی مدنی (والد ماجد مولانا عارف جمیل صاحب مبارکپوری) اور مولانا شبیہ احمد فیض آبادی شیخ الحدیث جامع مسجد امروہہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت مولانا سے راقم الحروف کا تعلق

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہمارے گھرانے سے حضرت مولانا کی متعدد قریبی رشتے داریاں تھیں، ہمارے گھرانے بلکہ گاؤں میں وہ حافظ ماموں کے نام سے یاد کئے جاتے تھے، ذکر ان کا بارہا سنا تھا؛ لیکن جیسا کہ یاد پڑتا ہے کہ دیدار پہلی بار دارالعلوم دیوبند میں اس وقت ہوا، جب ہم 2000ء میں داخلہ کے لیے دارالعلوم پہنچے، قد کافی پستہ، بدن ہلکا پھلکا، چہرہ پر جلال وخوبصورت، داڑھی لمبی، گھنی اور گھنگریالی، دوپلی ٹوپی، سادہ اور صاف ستھری وضع، آواز دھیمی، چال ڈھال میں چاق چوبند اور مستعد، اپنا تعارف کرایا، تو خیر خیریت دریافت فرمائی، اور داخلہ امتحان کے مناسب کچھ ہدایات دیں، اللہ کے فضل سے سال ہفتم داخلہ ہوگیا، ملاقات ہوئی، تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا، ہفتم ثالثہ میں نام آیا، تو حضرت سے وہاں مشکاۃ کا آخری حصہ پڑھنے کی سعادت ملی، اور گاہے گاہے حضرت کے یہاں آنا جانا بھی رہا، امتحانات میں نمبرات اچھے آتے رہے، اور تکمیل ادب وافتاء میں داخلہ ملتا گیا، جس کی وجہ سے حضرت مولانا بڑی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمانے لگے، ان کا رعب انس میں تبدیل ہوتا گیا، بڑی تکلفی سے باتیں کرتے، بالکل گھل مل جاتے، اور پرانے واقعات، کھیت، کھلیان، باغ اور گاؤں گھر قصے بڑی دلچسپی سے سناتے، کوئی مشورہ لیا جائے تو بڑے اہتمام سے بات سنتے اور مشورہ دیتے۔

جب میں تکمیلات میں پہنچا تو حضرت نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تم دارالعلوم معین مدرس کے لیے درخواست ضرور دینا، اس سے تجربہ بھی ہوگا اور تمہاری صلاحیت بھی اساتذہ کے سامنے آئیں گی تو کام کرنے کے بہترین مواقع بھی پیدا ہوں گے؛ مگر طبیعت اس طرف مائل نہ ہو سکی، مولانا یہ بھی فرماتے تھے کہ جو پڑھنا ہے پڑھو؛ مگر جب تعلیم ختم کرنے کا ارادہ ہو تو آگے کے لیے مشورہ ضرور کرنا، چناں چہ حسب حکم جب تعلیمی سفر ختم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت کے پاس مشورہ کے لیے حاضر ہوا، دو ایک جگہوں سے اشارے ملے تھے، حضرت سے اس کا ذکر کیا، مگر حضرت کی رائے ہوئی کہ مدرسہ شاہی چلے جاؤ، یہ نام میرے لیے اپنی حیثیت سے بہت بڑا معلوم ہوا؛ مگر حضرت نے اطمینان دلایا، شاہی کے بعض ذمہ داروں سے بات بھی کی

،اورایک زوردار سفارشی تحریر بھی مدرسہ شاہی کے حضرت مہتمم صاحب کے نام لکھی،جو میری تمام تر نااہلی کے باوجود میرے لیے ایک وقیع سند کا درجہ رکھتی ہے، مولانا نے لکھا:

باسمہ تعالی

محترم جناب مہتمم صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محترم مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کبھی کسی کی سفارش بلا مکمل جانکاری اوراعتماد کلی کے کی ہو، مولوی اجمل سلمہ میرے شاگرد ہونے کے علاوہ دارالعلوم دیوبند آنے کے بعد سے مجھ سے بہت قریب رہے،اور ضروری مواقع پر مشورہ لیتے رہے، میں اعتماد کرتاہوں کہ موصوف مدرسہ شاہی کے لیے ہر اعتبار سے مفید تر ثابت ہوں گے۔

محمد احمد غفرلہ

30،10،16ھ

بہر حال حضرت مولانا کی یہ تحریر، اوراسی کے ہمراہ استاذی حضرت مولانا نور عالم صاحب استاذ ادب دارالعلوم دیوبند کی ایک وقیع سفارشی تحریر مدرسہ شاہی میں راقم الحروف کے تقرر کے لیے کافی سمجھی گئی،اوران کے بعد کسی انٹرویووغیرہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

کچھ نصیحتیں

میں مدرسہ شاہی کے لیے روانہ ہوا تو مولانا نے چند نصیحتیں کیں (1) فرمایا: مولوی صاحب! آپ ہمیشہ "کار خود کن کار بے گانہ مکن" کے اصول پر عمل کیجئے، اپنی ذمہ داریوں اور امور مفوضہ کو پوری مستعدی اورامانت داری سے انجام دیجئے،اور دوسرے معاملات میں بالکل دخل نہ دیجئے،ان شاء اللہ عافیت سے رہیں گے۔(2) فرمایا: ہم نے سختی کے ذریعہ طلبہ پر قابو پایا؛ لیکن اب سختی اورمار پیٹ کا زمانہ نہیں رہا، طلبہ پر ترغیب وتشویق اور دلجوئی کے ذریعہ قابو کیجیے اورمار پیٹ کو سب سے آخری درجے پر رکھیے۔(3) ذمہ داروں سے تعلق اور رابطہ رکھیئے، مگر نہ اتنا قریب رہیے کہ لوگ آپ کو خاشامدی سمجھیں،اورنہ دوری اختیار

کیجئے کہ ذمہ داروں کسی غلط فہمی کا موقع ملے۔(4) طلبہ سے جسمانی خدمت لینے سے مکمل پرہیز کیجئے، کسی نوعمر طالب علم کو تنہا اپنے کمرے میں نہ آنے دیجئے، اگر ضرورت ہو تو یا تو کمرے کے باہر جاکر اس سے بات کیجئے، یا اس کے ساتھ کچھ اور طلبہ بلا لیجئے، تہمت اور فتنے کی جگہوں سے احتیاط بہت ضروری ہے۔ مولانا کی یہ باتیں میرے لیے بڑی چشم کشا اور مفید ثابت ہوئیں۔

ایک بار کہا کہ تم دیوبند نہیں آتے، میں نے عرض کیا حضرت مجھے سفر سے بڑی وحشت ہوتی ہے، بس مجبوری میں ہی سفر کرتا ہوں، مجھے دیوبند نہ آنے پر شرمندگی کا احساس ہے، فرمایا: میرے استاذ مولانا ضیاء الحق صاحب فرماتے تھے کہ مولوی صاحب مدرسی نام ہے پیر کٹوا کر بیٹھ جانے کا، کامیاب مدرس وہی ہے جو جم کر بیٹھ جائے، اور ناغہ نہ کرے، سفر نہ کرنا مدرس کے لیے اچھی بات ہے۔ ایک دفعہ میں اپنے بعض حالات کی وجہ سے کافی الجھن میں مبتلا تھا، ملاقات کے وقت استفسار پر اس کا اظہار کیا، فرمایا: الخير فيما وقع، ان شاء جو ہوا اسی میں بہتری ہوگی، پرانی بات بھول جایئے، اور جم کر کام کیجئے، مولانا کی اس بات سے مجھے بہت تسلی ملی۔

وفات:

اوپر گذرا کہ مولانا نے کم وبیش دار العلوم میں 28 سال خدمات انجام دیں، اخیر میں جب آپ کی صحت خراب رہنے لگی تو آپ صفر 1439ھ میں تدریسی خدمت سے ازخود مستعفی ہوگئے، حالاں کہ اساتذہ دار العلوم میں سے آپ کے بعض بہی خواہ حضرات کا مشورہ تھا کہ آپ استعفی نہ دیں، جو ہوسکے پڑھادیں، باقی تکمیل کوئی کر دے گا؛ مگر حضرت مولانا کا کہنا تھا کہ جب میں کام نہیں کروں گا تو تنخواہ کس بات کی لوں گا، بلا شبہ یہ حضرت کے غایت درجہ تدین کی دلیل ہے، تدریس سے مستعفی ہونے کے بعد آپ دار الشفاء، دار العلوم دیوبند میں یونانی معالج کے طور پر خدمات انجام دینے لگے، مگر جلد ہی خرابی صحت کی وجہ سے اس سے بھی مستعفی ہوگئے۔

گذشتہ چند سالوں سے آپ بیمار چل رہے تھے، درمیان میں بہت زیادہ علالت کی خبریں آرہی تھیں اور افاقہ بھی ہوجاتا تھا مگر آپ کا وقت موعود آچکا تھا بالآخر 87/ سال کی عمر میں (قمری اعتبار سے 89/ سال) آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی، 25/ فروری 2024ء مطابق 14/شعبان المعظم 1445 ھ بروز اتوار صبح نو بجے دیوبند میں اپنے مکان آپ نے وفات پائی، اور تدفین قبرستان عابد

ی میں مسجد عابدی کے سامنے قبرستان کی پوربی سمت میں ہوئی ، راقم الحروف کو بھی جنازہ اورتدفین میں شرکت کی سعادت حاصل رہی ،اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائےاور جنت الفردوس آپ کا مسکن بنائےآمین !

اولاد :

مولانا کے تین بیٹے اوردوبیٹیاں حیات ہیں،بیٹے مولاناشفیع الرحمٰن ،حافظ مطیع الرحمٰن، مولاناحبیب الرحمٰن ہیں،سب خودکفیل اور صاحب اولاد ہیں،آخرالذکرنے مولاناکی صحت وبیماری کے زمانے میں جوبےلوث خدمت وہ بےمثال ، قابل رشک اورلائق تحسین ہے،اللہ تعالی دنیاوآخرمیں اس کااپنی شایان شان اجرعطافرمائے آمین ! ایک بیٹے جوسب سے بڑے اورلائق فائق تھے،وہ عین جوانی میں انتقال کرگئے،بڑی بیٹی بھی ابھی کچھ ماہ پہلے وفات پاگئیں ،اللہ ان مرحومین کی مغفرت فرمائے آمین !

بقلم محمداجمل قاسمی خادم تدریس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

بروزچہارشنبہ 24 شعبان 1445ھ مطابق 6 مارچ 2024ء